# احادیثِ متعارضہ کی توجیہ و تطبیق میں صاحبِ "فیض الباری" کا منہج

METHODOLOGY OFTHEAUTHOROFFAIZ - UL- BARI IN JUSTIFICATION OF THE CONTRADICTORY AHADITH

محمد جہانگیر* / ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس**

**Abstract:**
Mukhtalif-ul-Hadith means to reconcile the meanings of apparently contradictory ahadith. It is one of the important fields that deal with basic principles to harmonise and reconcile the contradictions of ahadith. Islamic Jurists and Masters of the sciences of Hadith played an important role in this field. Anwar Shah Kashmiri is one of the experts of this scince. His book Faiz-ul-Bari is an exemplary work on Mukhtalif-ul-Hadith. This article mainly focuses on his style and methodology in description and the judgments about contradictory Ahadith. His style is juridical and technical. His methodology is based on the fundamentals of Hadith irrespective of any personal predomination.
**Keywords:**Mukhtalif -al-Hadith ,Hadith Methodology, Contradiction in Hadith, Faiz-ul-Bari, Anwar Shah Kashmiri, Jurists of Islam

احادیث نبویہ کو سمجھنے کے لیے جن علوم کی ضرورت پڑتی ہے، ان میں ایک اہم علم "مختلف الحدیث" ہے۔ ذخیرہ حدیث میں بعض اوقات ایسی احادیث سامنے آجاتیہیں جن کے مفاہیم میں ظاہراًاختلاف و مخالفت نظر آتی ہے جسے تعارض کا نام دیا جاتا ہے، اناحادیث متعارضہ کے درمیان توجیہ و تطبیق کی صورتیں نکالنا علم مختلف الحدیث میں مقصود و مطلوب ہوتا ہے۔ محدثین اور فقہاءنے قرونِ اولی سے مختلف الحدیث کے باب میں احادیث متعارضہ کے حل کے حوالے سے بیش بہا خدمات سر انجام دیتے آرہے ہیں۔ ماضی قریب میں صاحب فیض الباری مولانا انور شاہ کشمیریؒ (متوفی 1353ھ) کا نام اس حوالے سے نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ آپؒ کا احادیثِ متعارضہ کے حوالے سے اپنا ایک الگ طریقہ کار تھا، جس میں بسا اوقات متقدمین کے ساتھ اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ آئندہ صفحات میں یہ دیکھنا مقصود ہے کہ مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے اپنی عربی شرح صحیح البخاری، فیض الباری میں تعارضِ حدیث کے ابحاث کو حل کرنے میں کون کون سے مناہج اور اسالیب اختیار کیے ہیں؟

تعارض باب تفاعل کا مصدر ہے، باب تفاعل کی ایک خاصیت اشتراک ہے، پس تعارض حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ دو یا زیادہ حدیثیں باہمی متعارض ہیں۔ لغوی اعتبار سے تعارض کا ایکمعنیٰ منع کرنا اور رکاوٹ بننا ہے۔ چنانچہ علامہ ازہری تہذیب

* پی ایچ ڈی سکالر، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد
** ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ، انچارج رحمت للعالمین سیرت چیئر، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

اللّغۃ میں فرماتے ہیں:

''وكل مانعٍ منعَكَ من شُغل وغيره من الأمراض فَهُوَ عارض، وَقد عَرَضَ عارض، أَي حَال حائلٌ وَمنع مَانع''[1]

(ہر وہ مرض جو تجھے کام وغیرہ سے روکے وہ عارض کہلاتا ہے، عَرَضَ عارضٌ کا معنیٰ ہے کوئی رکاوٹ اور مانع کا پیش آجانا۔)

علامہ ابن منظور لسان العرب میں تعارض کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وعارض الشيء بالشيء معارضة: قابله، وعارضت كتابي بكتابه أي قابلته. وفلان يعارضني أي يباريني''[2]

(عارض الشيء بالشيء کا معنیٰ ہے ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ مقابلہ وموازنہ کرنا، عارَضْت كتابي بكتابه میں نے اپنے خط کا اس کے خط کے ساتھ موازنہ کیا، فُلَان يعارِضني فلاں میرے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔)

مذکورہ بالا مطلق تعارض کی تعریف ہے، جو اصولِ فقہ کے تناظر میں عمومی اعتبار سے ہے، اور ادلۂ شرعیہ کے تمام اقسام کو شامل ہے، اصحابِ حدیث کے ہاں مختلف الحدیث اور تعارض الحدیث دونوں مترادف امور ہیں، اسی بنا پر اصولِ حدیث کی کتابوں میں تعارض کی تعریف کے بجائے صرف مختلف الحدیث کی تعریف پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

''وإن كانت المعارضة بمثله؛ فلا يخلو: إما أن يمكن الجمع بين مدلوليهما بغير تعسف، أو لا. فإن أمكن الجمع فهو النوع المسمى: مختلف الحديث''[3]

(اگر حدیثِ مقبول کا حدیثِ مقبول کے ساتھ معارضہ ہو جائے، تو ان کے مدلول ومفہوم میں بلا تکلف جمع و تطبیق ممکن ہو گی یا نہیں ہو گی، اگر بلا تکلف جمع و تطبیق ممکن ہو تو یہ مختلف الحدیث ہے)

استاذ محمود الطحان نے یہ بات آسان انداز میں وضاحت کے ساتھ پیش فرمائی ہے:

''هو الحديث المقبول المعارض بمثله، مع إمكان الجمع بينهما''[4]

(وہ مقبول حدیث جس کے مقابلے میں اس جیسی مقبول حدیث آجائے، لیکن دونوں میں جمع و تطبیق کا امکان موجود ہو)

اس تعریف سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ دو حدیثوں کے مابین تعارض ظاہراً ہوتا ہے جو کہ حقیقی نہیں ہوتا۔ ملا علی قاریؒ نخبۃ الفکر کی شرح میں فرماتے ہیں:

''لا يتعارض النصان في الواقع، ولا يقع متناقضان شرعيان في نفس الأمر''[5]

(واقع میں دو نصوص میں تعارض نہیں ہوتا، اور حقیقت میں دو ایسے شرعی دلائل نہیں ہو سکتے جن میں باہمی تناقض ہو)

کتبِ احادیث میں اور خاص طور پر صحیح بخاری میں جن احادیث میں ظاہری طور پر تعارض نظر آتا ہے، ان میں سے اکثر احادیث میں تطبیق ممکن ہوتی ہے، اسی بنا پر شارحینِ حدیث کی اولین ترجیح جمع و تطبیق ہوتی ہے، اگر جمع و تطبیق ممکن نہ ہو سکے تو پھر تنسیخ اور ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے فیض الباری میں احادیث متعارضہ کے حل میں یہ تمام اسالیب مختلف طریقوں سے اختیار فرمائے ہیں، احادیث متعارضہ کے حل میں آپؒ کا ایک امتیازی مجتہدانہ منہج ہے، جس میں مختلف مواقع پر متقدمین کے ساتھ اختلاف بھی فرماتے ہیں، ذیل میں آپؒ کا منہج تفصیل و توضیح کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

## اپنی توجیہ بیان کر کے متقدمین شارحین کی گرفت کرنا

امام بخاریؒ نے کتاب الطب میں "باب الطیرۃ" کے تحت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے:

''أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: لاَ عَدْوَى وَلاَ طِيَرَةَ، وَالشُّؤْمُ فِي ثَلاَثٍ فِي الْمَرْأَةِ، وَالدَّارِ، وَالدَّابَّةِ''[(6)]

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیماریوں میں چھوت چھات کی اور بدشگونی کی کوئی اصل نہیں اور اگر نحوست ہوتی تو تین چیزوں میں ہوتی، عورت میں، گھر میں اور گھوڑے میں)

اس حدیث کا صحیح بخاریؒ کی دوسری حدیث ''فِرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الأَسَدِ''[(7)] (جزامی سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو) کے ساتھ تعارض اہلِ علم کے ہاں کافی معروف ہے۔ اس تعارض کو حل کرتے ہوئے مولانا کشمیریؒ فرماتے ہیں:

''قوله: (لا عدوى) نفي لاتباع الأوهام. والعدوى ثابتة في الأقوام كلها، غير أهل الإسلام أما ملابسة المجذوم، فهو من التسبيب''[(8)]

(تعدیِ امراض کی نفی در اصل توہم پرستی کو ختم کرنے کے لیے ہے، تعدیِ امراض کا تو ہم اہلِ اسلام کے علاوہ تمام اقوام میں پایا جاتا ہے، بہر حال (دوسری طرف) جو کوڑھ زدہ شخص کے ساتھ ملنا جلنا (یعنی اس سے ممانعت) تو یہ بیانِ سبب کے قبیل سے ہے)

اس کے بعد شارحِ بخاری حافظ ابن حجرؒ کی گرفت کرتے فرمایا:

" حافظؒ نے (اپنی طرف سے) ان دونوں حدیثوں میں تعارض کے دو جوابات دیے ہیں، اور ایک جواب شیخ عمرو بن صلاح سے بھی نقل کیا ہے۔ میرے نزدیک حقیقت پسندی یہی ہے کہ حافظؒ بلاشبہ اپنے فن کا حافظ ہے، لیکن (فلسفہ میں نہ ہی ان کو مہارت حاصل ہے، اور نہ ہی فلسفی جوابات ان کا کام ہے، لہذا) سببیتِ طبعی کیا ہے؟ فلسفہ کی رو سے اس کی کیا تشریح ہے؟ قدرت کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے؟ آیا قدرت کے ساتھ

اس کا جمع ہونا ممکن ہے یا نہیں؟ یہ ایسے امور ہیں جن کے بارے میں حافظؒ معرفت نہیں رکھتے، اور نہ ہی ان کی کسی کتاب سے مجھے یہ اندازہ ہوا ہے کہ فلسفہ میں انہیں مہارت حاصل تھی۔"(9)

## فقہاء کی توجیہ کو رد کر کے اپنی توجیہ بیان کرنا

مولانا انور شاہ کشمیریؒ کو اللہ تعالیٰ نے مجتہدانہ شان سے نوزا تھا، اسی بنا پر مختلف مواقع پر آپؒ حلِ تعارض میں متقدمین کے ساتھ اختلاف بھی فرماتے ہیں، فیض الباری میں مختلف مواقع پر آپؒ نے یہ اسلوب اختیار فرمایا ہے، امام بخاریؒ نے کتاب الوضوء میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے:

''إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ فَلاَ يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلاَ يُوَلِّهَا ظَهْرَهُ، شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا''(10)

(جب تم میں سے کوئی شخص بیت الخلاء میں جائے تو قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ نہ کرے، مشرق کی طرف منہ کرے یا مغرب کی طرف)

اس حدیث کی تشریح میں کشمیریؒ نے قضائے حاجت کے وقت استقبال اور استدبار قبلہ کا مسئلہ بیان کرتے وقت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مذہب بیان فرمایا کہ ان حضرات کے ہاں بیابان میں استقبال اور استدبار مکروہ ہے، البتہ آبادی میں کراہت نہیں۔ جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے ہاں دونوں صورتوں میں استقبال اور استدبار مکروہ ہے، اس کے بعد فریقین کے دلائل بیان کرتے ہوئے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی تائید میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایات ذکر کرتے ہیں:

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت حفصہ کے گھر کی چھت پر چڑھا وہاں سے میں نے رسول ﷺ کو قضائے حاجت فرماتے ہوئے دیکھا۔ آپ شام کی طرف منہ اور قبلہ کی طرف پیٹھ کیے ہوئے تھے۔ اور حضرت جابر کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنے سے منع فرمایا تھا۔ پھر آپ کی رحلت کے ایک سال پہلے میں نے دیکھا کہ آپ قضائے حاجت میں قبلہ کی طرف رخ کیے ہوئے ہیں۔"(11)

اس کے بعد حدیثِ باب کے ساتھ ان احادیث کے تعارض کو حل کرنے کے لیے علماءِ احناف کی جانب سے ان احادیث کی توجیہ نقل فرمائی ہے: " وأجابَ الحنفية عن حديث ابن عمر رضي الله عنه وجابر رضي الله عنه أنهما فعلان، والفعل لا يعارضُ القولَ، كما بُسِط في الأصول" کہ یہ دونوں حدیثیں فعلی ہیں، جبکہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی حدیثِ قولی ہے، اور حدیثِ فعلی حدیثِ قولی کا مقابل نہیں ہو سکتی، لہٰذا حدیثِ فعلی کو راجح قرار دیا جائے گا۔ لیکن اس توجیہ کو نقل کرنے کے بعد مولانا کشمیریؒ اس کے ساتھ اتفاق نہیں فرماتے:

''قلت: ولا أحبُّ هذا العنوان لأن فِعلَه صلى الله عليه وسلّم أيضًا حجةٌ كقوله'' یعنی یہ توجیہ مناسب نہیں؛ کیونکہ آپ ﷺ کے اقوال کی طرح آپ ﷺ کے افعال بھی حجت ہیں، اس کے بعد اپنی طرف سے ایک زبردست توجیہ بیان فرماتے ہیں:

> ''فغيرتُه إلى أنهما حكايتا حالٍ لا عموم لهما. وحديث أبي أيوب نصٌ في الباب، وتشريعٌ في المسألة، وحكمٌ على وصفٍ معلومٍ منضبط. وهذه الأحاديث لم يُعلم سببُها بعدُ، فكيف يُترك ما هو معلومُ السبب بما جُهِل سببه؟ وكيف يُهدر الناطق بالساكت''(12)
>
> (مذکورہ بالا توجیہ میں تبدیلی کر کے میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایات میں جزوی واقعات کا بیان ہے، جبکہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی روایت مذکورہ مسئلے میں صریح حکم اور قانون کی طرح ہے، جس میں ایک معلوم اور مرتب علت کی بنیاد پر حکم لگایا گیا ہے، جبکہ ان دونوں روایات کی اصل وجہ نامعلوم ہے، تو ایک معلوم السبب روایت کو غیر معلوم السبب کی بنیاد پر چھوڑنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ اور جس روایت میں وجہ بیان کی گئی ہے اسے کیسے ساکت روایت کی بنیاد پر رد کیا جاسکتا ہے؟)

## احادیثِ متعارضہ میں سے ہر ایک کو اس کے محمل پر منطبق کرنا

بعض اوقات ایک مسئلے میں بہت ساری حدیثیں وارد ہوتی ہیں، جن میں سے ہر ایک کا مقتضیٰ الگ ہوتا ہے، ان میں سے اگر ایک پر عمل کیا جائے تو باقی پر عمل رہ جاتا ہے، اس صورتحال سے نمٹنا کافی مشکل ہوتا ہے، مولانا کشمیریؒ ایسے مواقع پر ہر ہر حدیث کو اس کے محمل پر منطبق کر کے انتہائی خوبصورت انداز میں ان کا باہمی تعارض رفع کر دیتے ہیں، باب الِاسۡتِجۡمَارِ وِتۡرًا کے عنوان کے تحت مولانا کشمیریؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، جس میں نیند سے جاگنے کے بعد پانی میں دھوئے بغیر ہاتھ ڈالنا کی ممانعت کا بیان ہے۔

اس حدیث کی تشریح میں مولانا کشمیریؒ پانی کی طہارت کے مسائل بیان فرماتے ہیں، جس میں امام مالک ؒ کا مذہب یہ ہے کہ نجاست پڑنے سے جب تک پانی میں تغیر نہ آجائے تو وہ پاک رہتا ہے، چاہے پانی کم ہو یا زیادہ ہو۔ امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ جب پانی دو مٹکوں کی مقدار ہو تو وہ نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا، جبکہ احناف کے ہاں مبتلیٰ بہ کی رائے کا اعتبار ہوتا ہے، جب مبتلیٰ بہ کو لگے کہ یہ پانی زیادہ ہے تو نجاست پڑنے سے وہ ناپاک نہیں ہوگا، آگے ان مذاہب کے دلائل پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''مالکیہ بئر بضاعہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس سے قلتین والی حدیث کا ترک لازم آتا ہے، شافعیہ قلتین والی حدیث اختیار کرتے ہیں جس سے باقی احادیث کا ترک لازم آتا ہے، خلاصہ یہ کہ ہر مذہب

میں کچھ احادیث پر عمل رہ جاتا ہے، جن میں مختلف تاویلات مجبوری بنتی ہے، لیکن ان سب کے مقابلے میں احناف کا مذہب بہت زبردست ہے، جس میں اس باب کی ہر حدیث کو اس کی محمل پر منطبق کیا جاتا ہے۔"(13)

بعد ازاں احناف کے مذہب پر تطبیق کی تفصیل بیان فرماتے ہیں:

بئر بضاعہ کی حدیث کنویں کی پانی کے بارے میں ہے جب اس سے نجاست نکال دی جائے، قلتین والی حدیث بیابانوں اور جنگلات میں موجود پانی سے متعلق ہے، ولوغ الکلب والی حدیث گھروں میں ذخیرہ شدہ پانی سے متعلق ہے۔ یہ پوری تفصیل ذکر کر کے آخر میں فرماتے ہیں: ''فهذه أقسامُ المياه وتلك أحكامُها فَرَاعِها وأنزلها في مَنَازِلها، ولاتُدْخِلْ جملتَها تحت حديثٍ واحد''(14) یعنی پانی کی کئی اقسام ہیں ان سب کے احکام بھی الگ ہیں۔ ان سب کو ایک حدیث کے تحت داخل نہیں کیا جا سکتا۔

## کلیہ وضع کر کے تعارض حل کرنا

امام بخاریؒ نے کتاب النکاح میں "باب من قال: لا نكاح إلا بولي" کے عنوان کے تحت چار احادیث نقل کی ہیں، جن کا خلاصہ یہی ہے کہ نکاح بغیر ولی کے نہیں ہو سکتا، اور عبارات النساء سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، تشریح میں مولانا کشمیریؒ نے ان دونوں مسئلوں میں احناف اور شوافع ومالکیہ کے اختلاف کو بیان کیا ہے کہ شوافع ومالکیہ کے ہاں نکاح بغیر ولی کے نہیں ہو سکتا، اور عبارات النساء سے بھی نکاح منعقد نہیں ہوتا، جبکہ احناف کے ہاں صرف ولی رضامندی شرط ہے، اس کے بعد چاہے نکاح عورت کی عبارت سے ہو یا ولی مرد کی عبارت سے دونوں درست ہیں، اور چاہے ولی کی رضامندی کے بعد عورت اپنا نکاح خود کر لے تو بھی درست ہے، اس کے بعد فریقین کے دلائل ذکر کیے ہیں، اس بحث میں احادیثِ باب کے ساتھ دوسری احادیث کا تعارض بیان کیا ہے، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے: "الأَيّم أحقُّ بنفسها"(15)

ان احادیث پر بحث کرنے کے بعد تعارض رفع کرنے کے لیے مولانا کشمیریؒ نے ایک لاجواب کلیہ وضع فرمایا ہے جس سے مذکورہ بالا تعارض کے علاوہ دیگر کئی تعارضات بھی حل ہو جاتے ہیں، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

> ''ہر وہ کام جو جماعت کی شکل میں انجام دیا جاتا ہو اس میں طرفین کی رعایت برتی جاتی ہے، اس حوالے سے احادیث بھی دونوں اطراف سے متعلق وارد ہوتی ہیں، یہی صورت انتظام وترتیب کے لیے زیادہ مناسب ہے، پس ایسے مواقع پر درست یہی ہے کہ طرفین کی احادیث کو جمع کر کے مجموعہ سے مراد کا استنباط کیا جائے، جو لوگ ایک طرف کی احادیث پر اکتفاء کر لیتے ہیں تو انہیں شارع کی مکمل مراد تک رسائی نہیں ملتی، کیونکہ مکمل مراد ان احادیث کے مجموعہ میں موجود ہوتی ہے۔''(16)

اس کے بعد اس کلیہ کے لیے چار مثالیں پیش فرمائی ہیں، جن کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

1: زکوۃ میں دو اطراف ہیں، عامل یعنی وصول کرنے والے اور ادائیگی کرنے والے، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک طرف عاملین کو لوگوں کے ساتھ نرمی برتنے، زیادتی نہ کرنے اور مظلوم کی بد دعا سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے، تو دوسری جانب ادائیگی کرنے والوں کو عاملین کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنے اور تعاون کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

2: خواتین کے مسجد میں جانے کے حوالے سے آپ ﷺ نے شوہروں کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ بیویوں کو مسجد جانے سے نہ روکیں، تو دوسری طرف خواتین کو ترغیب دی ہے ان کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد کی نماز سے افضل ہے۔

3: اطاعتِ امیر کے حوالے آپ ﷺ نے ایک طرف عوام کو بلا تفریق ہر صورت میں امیر کی اطاعت کا حکم دیا ہے، تو دوسری جانب امراء کو جہنم کی وعیدوں سے ڈرایا ہے۔

4: بھیک مانگنے کے حوالے سے لوگوں کو ترغیب دی ہے کہ مانگنے والوں کو عطا کریں، لیکن دوسری طرف مانگنے والوں کو وعید سنائی ہے کہ قیامت کے دن بھیک مانگنا ان کے چہرے پر خراشوں کی شکل میں نظر آئے گا۔(17)

## تاریخ کو فقہ سے الگ کر کے تعارض حل کرنا

امام بخاریؒ نے "باب إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا" کے تحت احادیث نقل کی ہیں، پہلی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے:

''إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا''(18)

(جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اسے چاہیے کہ اس برتن کو سات مرتبہ دھولے)

اس حدیث سے کتے کے جھوٹے کی نجاست کا پتہ چلتا ہے، دوسری حدیث بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے:

''أَنَّ رَجُلًا رَأَى كَلْبًا يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ، فَأَخَذَ الرَّجُلُ خُفَّهُ فَجَعَلَ يَغْرِفُ لَهُ بِهِ حَتَّى أَرْوَاهُ، فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ فَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ''(19)

بظاہر اس دوسری حدیث سے کتے کے جھوٹے کی طہارت کی طرف اشارہ ہوتا ہے، علامہ کشمیریؒ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وإنما تردد نظر الشارحين في مختاره لأنه أخرج المادّة للطرفين تحت باب واحدٍ، فالأول: يدل على النجاسة. والثاني: يمكن أن يستدلّ منه على طهارته وإن كان ضعيفًا''(20)

(اس مسئلے میں شارحین کو امام بخاریؒ کے مسلکِ مختار کے بارے میں تردد ہے، کیونکہ انہوں نے دونوں قسم کی حدیثیں ایک ہی باب میں نقل کر دی ہے، پہلی حدیث سے نجاست کا پتہ چلتا ہے، جبکہ دوسری حدیث سے طہارت کی طرف اشارہ ہے۔)

آگے اس تعارض کو رفع کرنے اور امام بخاریؒ کے مسلک کو واضح کرنے کے لیے علامہ کشمیریؒ نے ایک بہترین کلیہ بیان فرمایا ہے، جس سے یہ مشکل گتھی انتہائی آسانی کے ساتھ سلجھ جاتی ہے، اس کا خلاصہ یہی ہے کہ تاریخی واقعات محض ظاہری عبارات سے فقہی احکامات کی بنیاد نہیں بن سکتے، فرماتے ہیں:

اس اسرائیلی شخص کا واقعہ کتے کے جھوٹے کی طہارت پر دلیل نہیں بن سکتا، پہلی وجہ تو یہ ہے کہ مذکورہ واقعے میں یہ تفصیل نہیں کہ اس نے کتے کو موزے سے براہِ راست پانی پلایا تھا، یا زمین میں گڑھا کھود کر اس میں پانی بھر کر پلایا تھا، اسی طرح یہ وضاحت بھی کوئی نہیں کہ آیا اس کے بعد اس نے اپنے موزے کو دھولیا تھا یا نہیں دھویا تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں سکوت کو بیان کے بمنزلہ قرار نہیں دیا جاسکتا؛ کیونکہ یہاں مقصود صرف واقعہ ذکر کرنا ہے نہ کہ مسئلہ بیان کرنا، راویان جب کوئی واقعہ نقل کرتے ہیں تو صرف اس کے ظاہری مناظر بیان کرتے ہیں، اور نہ ہی اس میں موجود مسائل کی تخریج سے کسی قسم کا تعرض کرتے ہیں نہ الفاظ میں اس کی رعایت رکھتے ہیں، لیکن بعد میں علمائے مذاہب ان کی تعبیرات سے مسائل کا استنباط شروع کر دیتے ہیں، یہ طرزِ عمل انتہائی کمزور ہے، اس کلیے کو ضبط کر لیجیے، اس سے بہت ساری پیچیدگیوں سے بچت ہو جاتی ہے، صحیح بخاری میں اس کی کافی نظیریں آنے والی ہیں۔[21]

## متقدمین کا قول ذکر کیے بغیر تعارض رفع کرنا

امام بخاریؒ نے "باب الرجل یوضئ صاحبه" کے عنوان کے تحت حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے:

''أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فِي سَفَرٍ، وَأَنَّهُ ذَهَبَ لِحَاجَةٍ لَهُ، وَأَنَّ مُغِيرَةَ جَعَلَ يَصُبُّ الْمَاءَ عَلَيْهِ، وَهُوَ يَتَوَضَّأُ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ''[22]

اس حدیث کے بعض طرق میں "ومسح بِعمامته" کے الفاظ وارد ہے، حنابلہ اس سے استدلال کر کے مسح علی الخفین کی طرح مسح علی العمامہ کے قائل ہیں، اب بظاہر اس حدیث کے ان دو طرق میں تعارض ہے، اس تعارض کو رفع کرتے ہوئے مولانا کشمیریؒ فرماتے ہیں:

''فحديث المُغيرة لا يقومُ دليلًا للحنابلة في الاكتفاء بالمسح على العمامة. ما لو يأتوا بدليل نصًا على مسح العِمامة بدون المسح بشيء من الرأس''[23]

(حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث (کی اس طریق) کو (جس میں مسح علی العمامہ کا ذکر ہے) حنابلہ مسح علی العمامہ پر اکتفاء کرنے کے لیے دلیل نہیں بنا سکتے، جب تک ایسی صریح روایت پیش نہ کریں جس میں یہ تنصیص ہو کہ سر کے کسی حصے کا مسح کیے بغیر صرف عمامہ پر مسح کیا گیا۔)

یہاں یہ ممکن ہے کہ خصم یہ استدلال پیش کرے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مسح علی العمامہ کا ذکر وارد ہے، تو اس کی تردید میں مولانا کشمیریؒ فرماتے ہیں:

''حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی مجمل روایت استدلال کے لیے کافی نہیں؛ کیونکہ بعض اوقات راوی اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف عمامہ کے ذکر پر اکتفاء کرتا ہے، پھر جب تفصیل بیان کرنی ہو تو اس کے ساتھ مسح علی الراس کا تذکرہ بھی کر دیتا ہے، نیز یہ واقعہ بھی ایک ہی ہے، پس ممکن صورت یہی ہے کہ آپ ﷺ نے پہلے سر کے کچھ حصے پر مسح فرمایا، پھر پورے سر پر مسح کرنے کی سنت کو پورا کرنے کے لیے عمامہ پر مسح فرمایا۔''(24)

## متقدمین کی تعقیب کر کے تعارض حل کرنا

امام بخاریؒ نے "باب في المسح علی الجوربین والنعلین" کے عنوان کے تحت حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ کی روایت نقل فرمائی ہے:

''أَنَّهُ صلى الله عليه وسلم خَرَجَ لِحَاجَتِهِ فَاتَّبَعَهُ الْمُغِيرَةُ بِإِدَاوَةٍ فِيهَا مَاءٌ، فَصَبَّ عَلَيْهِ حِينَ فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ، فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ''(25)

(آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے، آپ ﷺ کے پیچھے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ پانی کا برتن لے کر گئے، آپ ﷺ کی فراغت کے بعد انہوں نے پانی ڈالا، آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور موزوں پر مسح فرمایا۔)

امام ترمذیؒ نے اپنی سنن میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی یہی روایت کچھ یوں نقل کی ہے:

''تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَلَى الجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ''(26)

(نبی ﷺ نے وضو کیا اور جورابوں اور موزوں پر مسح کیا۔)

سنن ترمذی کی اس روایت کا صحیح بخاری کے ساتھ تعارض ہو رہا ہے، کہ یہاں مسح علی الخفین کی بجائے مسح علی الجوربین والنعلین کا ذکر ہے۔

علامہ کشمیریؒ فیض الباری میں تعارض کو حل کرتے ہوئے فرما رہے ہیں:

''واعلم أنه لا ذكر في حديث المغيرة للجوربين والنعلين أصلا، وهو وهم قطعا، فإن هذه الواقعة قد رويت في نحو سبعين طريقا، ولا يذكر أحد أن النبي صلى الله عليه وسلم مسح فيها على الجوربين والنعلين''(27)

(حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں مسح علی الجوربین والنعلین کا کوئی تذکرہ نہیں، یہ اضافہ

یقینی طور پر وہم ومغالطہ ہے؛ کیونکہ یہ روایت تقریباً ستر طرق سے وارد ہے، لیکن کسی بھی طریق میں یہ تذکرہ نہیں کہ آپ ﷺ نے مسح علی الجوربین والنعلین فرمایا ہے۔)

حل تعارض کے بعد علامہ کشمیریؒ امام ترمذیؒ کی روایت پر تعقیب کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"فما أخرجه الترمذي وهم قطعا. امام ترمذیؒ نے جو یہ روایت (مسح علی الجوربین والنعلین کے اضافے کے ساتھ) نقل فرمائی ہے یہ یقینی طور وہم و مغالطہ ہے، آگے ان کی تصحیح کے طرف سے اعتذار پیش فرمایا ہے: وإنما صححه نظرا إلى صورة الإسناد فقط امام ترمذیؒ نے فقط ظاہری سند کو دیکھتے ہوئے اس روایت کی تصحیح فرمائی ہے۔"[28]

## متقدمین کے غیر حل شدہ تعارض کو حل کرنا

امام بخاریؒ نے "باب نوم الجنب" کے عنوان کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے، جس میں انہوں نے آپ ﷺ سے حالت جنابت میں سونے کے بارے میں استفسار کیا، تو آپ ﷺ نے جواب دیا:

"نَعَمْ إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرْقُدْ وَهُوَ جُنُبٌ"[29]

(تم میں سے کوئی جنبی ہو تو وضو کر کے وہ لیٹ سکتا ہے۔)

اس حدیث کی تشریح میں علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا جنابت کی صورت میں بلا غسل یا وضو استراحت فرمانا میرے علم کے مطابق ثابت ہی نہیں، اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جس میں حالتِ جنابت میں آپ ﷺ کے سونے کا ذکر ہے، اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

"فقد بينه الطحاوي مفصلا، وبعده لا يبقى فيه ما يخالفنا بشيء." آگے امام طحاوی نے تفصیلی روایت نقل فرمائی ہے جس کے آخر میں یہ جملہ ہے: "وإن كان جنبا توضأ وضوء الرجل للصلاة" اس کے بعد فرماتے ہیں: وهكذا رواه مسلم إلا أن في آخره جملة تناقضه وهي: وإن لم يكن جنبا توضأ وضوءه للصلاة، ولم يتعرض إليه أحد." صحیح مسلم کی روایت بھی اسی طرح ہے، لیکن اس کے آخر میں ایک جملہ "وإن لم يكن جنبا توضأ وضوءه للصلاة"[30] سابقہ روایت کے ساتھ متعارض ہے، اور اس تعارض کو حل کرنے کی کسی نے کوشش نہیں کی۔

علامہ کشمیریؒ اس تعارض کو حل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"امام طحاوی اور امام مسلم کی ان دو روایات میں بایں طور تطبیق ممکن ہے کہ امام طحاوی کی روایت میں ابتدائے شب کا بیان ہے، جبکہ مسلم کی روایت میں آخر شب کا ذکر ہے، یعنی اگر یہ حالت ہوتی تو آپ ﷺ آخرِ شب میں غسل فرماتے، بصورتِ دیگر صرف وضو پر اکتفاء فرماتے۔"[31]

## فإن قُلتَ کے ذریعے تعارض کی طرف اشارہ کر کے قُلتُ کے ساتھ حل کرنا

امام بخاریؒ نے کتاب الجنائز میں "باب إذا أسلم الصبی فمات هل يصلی عليه وهل يعرض علی الصبی الإسلام ؟" کے عنوان کے تحت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے:

''ما من مولود إلا يولد علی الفطرة، فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه، كما تنتج البهيمة بهيمة جمعاء، هل تحسون فيها من جدعاء''(32)

(ہر بچہ فطرت (اسلام یعنی قبولِ حق کی استعداد) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں، جس طرح چوپایہ مکمل بچہ بنتا ہے، چوپایوں کے بچوں میں تمھیں کوئی ناک کٹا نہیں ملتا۔)

اس حدیث کے ساتھ ایک اور حدیث کا بظاہر تعارض ہے، جس میں وارد ہے کہ نیک بختی اور بد بختی شکمِ مادر میں طے ہوتی ہے، علامہ کشمیریؒ فإن قلت کے ذریعے اسی تعارض کیجانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''فإن قُلتَ: فما معنی قوله صلی الله عليه وسلم :إن الشقاوة والسعادة في بطن الأم''(33)

اس کے بعد قُلتُ کے ذریعے علامہ کشمیریؒ اس تعارض کا بہترین حل بیان فرماتے ہیں:

'' میرے نزدیک نیک بختی اور بد بختی تقدیر سے متعلق ہیں، جو کہ علمِ باری تعالیٰ کی ایک قسم ہے، چنانچہ نیک بختی اور بد بختی کا فیصلہ اس بچے کے آئندہ احوال کے مطابق طے کیا جاتا ہے، اس کے مقابلے میں فطرت کا تعلق حسّی اور مادی امور سے ہے، جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا کہ فطرت سے مراد بچے کا دواعیٔ کفر سے خالی ہونا اور حسّی طور پر ایمان و کفر کے اجزاء پر مشتمل نہ ہونا ہے، پس اس کی ساخت و مادے میں موجباتِ کفر موجود نہیں ہوتے، بالفاظِ دیگر اس کی فطرت اس طور پر ہوتی ہے کہ اگر بچہ اس پر باقی چھوڑ دیا جائے تو وہ کفر کی طرف بالکل مائل نہیں ہو گا، پس کفر سے بالکلیہ خالی ہونے کو فطرت سے تعبیر کیا گیا، یہی اسلام کا پیش خیمہ ہے، اور یہ تقدیر سے ایک الگ چیز ہے، جبکہ اس کے برخلاف نیک بختی اور بد بختی سے مراد بعد از بلوغت کے نیک اور بد اعمال ہیں، اگر یہ اچھا مسلمان بن گیا تو اس کی تقدیر نیک بختی والی ہو گی، اور اگر برا بن گیا تو اس کی تقدیر بد بختی والی ہو گی، پس نیک بختی اور بد بختی فطرت کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں۔''(34)

## الجواب عن کے ساتھ تعارض حل کرنا

امام بخاریؒ نے کتاب الخصومات میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے کہ ایک یہودی نے ایک باندی کا سر دو پتھروں کے بیچ کچلا تھا، تفتیش کے بعد جرم ثابت ہونے پر آپ ﷺ کے حکم سے اس یہودی کا سر بھی دو پتھروں کے درمیان کچل دیا گیا:

اس حدیث کی تشریح میں مولانا کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ شوافع اس حدیث سے استدلال کر کے قصاص میں مماثلت کا حکم دیتے ہیں، اس کے مقابلے میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ قصاص صرف تلوار کے ذریعے لیا جائے گا، ہماری دلیل ابن ماجہ کی روایت ہے جسے علامہ ماردینیؒ نے الجوہر النقی میں حسن قرار دیا ہے: ''لَا قَوَدَ إِلَّا بِالسَّيْفِ''

آگے ان دونوں حدیثوں میں موجود اس تعارض کو رفع کرنے اور دوسری حدیث کو راجح ثابت کرنے کے لیے مولانا کشمیریؒ فرماتے ہیں:

> ''حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں وارد) سر کچلنے کا جواب یہ ہے کہ یہ فیصلہ تعزیری اور انتظامی طور پر تھا (نہ کہ قصاص کے طور پر)، اس حوالے سے غور کرنا چاہیے کہ اس یہودی کا اس لڑکی کے ساتھ یہ سلوک ڈاکہ زنی کہلایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس نے اس لڑکی کا ہار چھینا اور قتل کر دیا، طحاویؒ نے بھی اس جانب اشارہ کیا ہے۔''(35)

## کسی معاصر محدث کے قول سے تعارض رفع کرنا

علامہ کشمیریؒ نے صحیح بخاری کی کتاب الکسوف کے تحت صلاۃِ کسوف میں رکوع کی تعداد سے بحث چھیڑی ہے، فرماتے ہیں:

> ''والروايات في تعدد الركعات بلغت إلى ستة ركوعات في ركعتين، كما في «تهذيب الآثار» للطبري. والأرجح عندي أن النبي صلى الله عليه وسلم ركع ركوعين في بركعة، والباقي أوهام''(36)

(طبریؒ کی کتاب تہذیب الآثار کے مطابق صلاۃِ کسوف کی دو رکعتوں میں رکوعات کی تعداد کے حوالے سے روایات میں چھ رکوع تک کا عدد وارد ہے، میرے ہاں ان میں راجح ترین یہی ہے کہ آپ ﷺ نے ہر رکعت میں دو رکوع فرمائے، اس کے علاوہ تمام روایات بے بنیاد ہیں۔)

اب یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اگر دو رکوع والی روایت درست ہے تو احناف کے ہاں صلاۃِ کسوف میں صرف ایک رکوع کیوں ہے؟ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

> ''آپ ﷺ نے اگرچہ صلاۃِ کسوف میں ہر رکعت میں دو رکوع فرمائے، لیکن ہمیں یہی حکم کہ گزشتہ معمول کی نماز کے مطابق ہم اس نماز کو ادا کریں، پس ایک سے زیادہ رکوع آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص حکم تھا۔''(37)

## نتیجہ بحث

مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے اپنی کتاب فیض الباری میں حلِ تعارض کے حوالے سے عمدہ ترین کام کیا ہے، اور بہترین طریقے سے تعارض احادیث کو رفع کیا ہے، آپؒ نے اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ کے ساتھ ساتھ اپنی اجتہادی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر تعارض کو حل کرنے کی کوشش فرمائی۔

اسباب میں آپؒ ایک محدث اور فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مجتہد اور ایک مؤرخ کے روپ میں نظر آتے ہیں، آپ ؒ نے سابقہ محدثین کے کام پر اکتفاء کر کے صرف اسے نقل کرنے کے بجائے انکے کام پر نقد و جرح اور تجزیہ و تحلیل کیا ہے، نیز آپؒ نے متقدمین کے ساتھ اختلاف کر کے اپنے نقطۂ نظر کو مدلل انداز میں واضح کیا، جہاں حل تعارض کے حوالے سے متقدمین سے کوئی گوشہ تشنہ رہ گیا ہے اپنی اجتہادی صلاحیت اور قابلیت سے اس تشنگی کو دور کرنے کی کوشش فرمائی ہے، نیز اگر کسی جگہ معاصر محدث کا قول یا توجیہ برمحل اور مناسب معلوم ہوئی تو اسے اختیار کر کے نقل کرنے میں کسی پس و پیش سے کام نہیں لیا گیا، روایات کی جانچ پڑتال میں اصول حدیث، اسمائے رجال، تاریخ اور منطقی اصولوں کو بروئے کار لایا گیا ہے، آپؒ کے کام کی گیرائی اور گہرائی سے ذخیرۂ احادیث پر وارد ہونے والے بہت سارے اعتراضات اور جدید ذہن کے شبہات رفع ہو جاتے ہیں۔

# حواشی و حوالہ جات

---

1۔ ابو منصور محمد بن أحمد بن الأزهري، تهذيب اللغة، بيروت: دار إحياء التراث العربي، ط ۲۰۰۱، ام، ج 1، ص ۲۸۹

2۔ ابن منظور، محمد بن مكرم، لسان العرب، بيروت، دار صادر، 1414ھ، ج 7، ص 167

3۔ العسقلاني، ابو الفضل أحمد بن علي، نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر في مصطلح أهل الأثر، الرياض: مطبعة سفير، ط ۱، ۱۴۲۲ھ، ج 1، ص 91

4۔ ابن محمود الطحان، محمود بن أحمد، تيسير مصطلح الحديث، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، ط ۱۴۲۵، ۱۰ھ، ص 71

5۔ القاري، علي بن سلطان محمد، شرح نخبة الفكر في مصطلحات أهل الأثر، بيروت: دار الأرقم، ص ۳۸۵-۳۸۶

6۔ البخاري، محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، كتاب الطبّ، باب الطيرة، رقم الحديث: 5753

7۔ أيضا، كتاب الطبّ، باب الجذام، رقم: 5707

8۔ الكشميري، محمد أنور شاه بن معظم شاه، فيض الباري على صحيح البخاري، بيروت: دار الكتب العلمية، ط ۱، ۱۴۲۶ھ، ج 1، ص 62،

9۔ ایضاً
10۔ صحیح البخاري، کتاب الوضوء، رقم:144
11۔ فیض الباري علی صحیح البخاري، أیضا، ج ۱، ص ۳۳۷-۳۳۸
12۔ ایضاً
13۔ فیض الباري، أیضًا، ج 1، ص ۳۵۷-۳۵۹
14۔ ایضاً
15۔ النیسابوري، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استئذان الثیب في النکاح بالنطق، والبکر بالسکوت، رقم: ۱۴۲۱
16۔ فیض الباری، ج ۵، ص: ۵۲۲
17۔ ایضاً
18۔ صحیح البخاري، کتاب الوضوء، باب الرجل یوضیٔ صاحبہ، رقم:182
19۔ أیضا، کتاب الوضوء، باب الماء الذي یغسل بہ شعر الإنسان، رقم الحدیث:173
20۔ فیض الباري، ج 1، ص370
21۔ ایضاً
22۔ صحیح البخاري، کتاب الوضوء، باب الرجل یوضیٔ صاحبہ، رقم الحدیث 182
23۔ فیض الباري، ج 1، ص 381
24۔ ایضاً
25۔ صحیح البخاري، کتاب الوضوء، باب المسح علی الخفین، رقم الحدیث 203
26۔ سنن الترمذي، أبواب الطھارۃ، باب في المسح علی الجوربین والنعلین، رقم الحدیث 99
27۔ فیض الباري، ج 1، ص402
28۔ ایضاً
29۔ صحیح البخاري کتاب الوضوء، باب نوم الجنب، رقم:287
30۔ فیض الباري، ج 1، ص ۴۷۴-۴۷۵
31۔ ایضاً
32۔ صحیح البخاري، کتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبي فمات، ھل یصلی علیہ، رقم:1359
33۔ فیض الباري، ج ۳، ص ۶۹
34۔ ایضاً

35۔ فيض الباري، ج۳، ص ۵۸۶۔۶۸۷

36۔ ایضاً، ج۵، ص:۵۱۹

37۔ ایضاً